حالی بہ طور سوانح نگار

ڈاکٹر صائمہ شمس

ABSTRACT:

The article entitled "Hali bator Sawaneh Nigar" is divided into three parts. First part covers the principles, main features, stages and conditions of the art of biography. Standards and substandards of Moulana Hali's biography have been discussed in second part. In third part, effort is made to look over "Hayat-e-Sadi", "Yadgaar-e-Ghalib" and "Hayat-e-Javaid" on the set pattern of the art of biography.

سوانح نگاری، ادب کی ایک قدیم اور مقبول صنف کا درجہ رکھتی ہے۔ حالی بہ طور سوانح نگار، اردو ادب میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ اگرچہ ہمارا اصل موضوع حالی کی سوانح نگاری ہے لیکن قبل ازیں سوانح نگاری کے فن کا جائزہ لینا ضروری ہے تاکہ اس کی کسوٹی پر حالی کی سوانح نگاری کو پرکھا جاسکے۔ آج تک سوانح نگاری کی جتنی تعریفیں کی گئی ہیں، ان میں بنیادی طور پر کوئی اختلاف دکھائی نہیں دیتا، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ سوال یہ ہے کہ سوانح نگاری کی جامع تعریف کیا ہوسکتی ہے۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی کا خیال ہے کہ:

> ''ادب کی دنیا میں حیات، سوانح عمری یا لائف سے مراد ہے عصر، نسل اور ماحول جیسے موثرات کے حوالے سے کسی شخص کی داخلی اور خارجی زندگی کے تمام اہم پہلوؤں کا ایسا جامع، مفصل اور معروضی مطالعہ جو اس کی زندگی کے ارتقاء اور اس کے ظاہر و باطن کو روشنی میں لا کر اس کی ایک ایسی قد آدم اور جیتی جاگتی تصویر پیش کر سکے جس پر کسی اور کی تصویر ہونے کا مطلق گمان نہ گزرے۔''(۱)

مندرجہ بالا تعریف کی روشنی میں فن سوانح نگاری کی درج ذیل جہات ہمارے سامنے آئیں گی۔

۱۔ عصر، نسل اور ماحول کے اثرات کا جائزہ

۲۔ داخلی اور خارجی زندگی کے تمام اہم پہلو

۳۔ جامعیت
۴۔ تفصیل
۵۔ معروضیت
۶۔ زندگی کا ارتقا
۷۔ شخصیت کے ظاہری و باطنی پہلوؤں کا اظہار
۸۔ جزئیات نگاری
۹۔ چوں کہ یہ ایک طرح کی مصوری ہے اس لیے اس میں ''شانِ حسن'' بھی جلوہ گر ہو
۱۰۔ شخصیت کی انفرادیت

جہاں تک پیش کش کا تعلق ہے تو اسلوب بیان کسی بھی ادبی تحریر کے جزو لاینفک کی حیثیت رکھتا ہے اور ہر ادبی تحریر کا اسلوب Style is the man himself کے مصداق، مصنف کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ ابتدا میں سوانح نگاری کا تصور، سورماؤں کے خارجی اور ظاہری واقعات کو پیش کرنے تک محدود تھا بعدازاں اسے مذہب سے وابستہ کیا گیا اور اولیائے کرام، صوفیاے کرام اور بادشاہوں کے مناقب، محاسن اور کرامات کو شامل کیا گیا جس کے نتیجے میں:

> ''حقیقت نگاری کو ابھرنے کا موقع نہ مل سکا اور جو سوانح عمریاں لکھی گئیں وہ عقیدت مندی کی روشنی میں ترتیب پائیں جن میں زندگی کا صرف ایک رخ غیر مرتب طریقے سے پیش کر دیا گیا۔''(۲)

انگریزی ادبیات میں ولیم روپر کی ''تھامس مور'' کو عہد جدید کی پہلی بہترین سوانح عمری قرار دیا گیا جس کا سنہ تصنیف ۱۶۲۶ء ہے اور مغربی سوانح میں جیمس باسول کی ''دی لائف آف سیموئل جانسن'' کو اعلیٰ ترین سوانح عمری کا اعزاز حاصل ہے۔ دنیا میں پہلی سوانحی لغت سولھویں صدی کے وسط میں سوئٹزر لینڈ میں تیار ہوئی۔ مشرق میں سوانح نگاری، عہد جدید میں ایک نئے اسلوب، تکنیک اور رروےیے سے آشنا ہوئی اور اس میں عقیدہ وعقیدت کے علاوہ تحقیق وجستجو کے عناصر کا بھی شمول ہوا، اس کی مثال سیرۃ النبیؐ، خلفاے راشدین اور دانش وروں کی سوانح عمریاں ہیں۔ اردو سوانح نگاری کا عہد جدید، الطاف حسین حالی اور ان کے رفقا سے شروع ہوتا ہے۔ اگر فنی نقطہ نظر سے سوانح نگاری کا جائزہ لیا جائے تو تین رویے غالب نظر آتے ہیں۔

۱۔ نیاز مندانہ یا عقیدت مندانہ روّیہ
۲۔ غیر جانب دارانہ یا معروضی روّیہ
۳۔ متعصّبانہ روّیہ

پہلے رویے میں سوانح نگار اپنے ہیرو کی تصویر کشی اس طریقے سے کرتا ہے کہ اس کی شخصیت مثالیت کا شکار ہو جاتی ہے اور شخصیت کی تصویر نامکمل اور ادھوری رہ جاتی ہے جب کہ ادب میں سوانح نگار کے لیے ضروری ہے کہ

''عقیدت مندی کو تنقیدی اور تحقیقی اقدار میں اختلال کا ذریعہ نہ بنائے اور ادب میں کھرے کھوٹے کا امتیاز رکھتے۔''(۳)

غیر جانب دارانہ رویے کا حامل سوانح نگار، اپنے ہیرو کی شخصیت سے عدم دل چسپی کے سبب، جستجو اور تحقیق کے رویے سے محروم ہو جاتا ہے جب کہ شخصیت سے دل چسپی کے لیے قوتِ فیصلہ اور قوت مشاہدہ کا استعمال درکار ہے۔ اگر سوانح نگاران خصوصیات کو بروے کار لائے تو اس کے نتیجے میں ظاہر ہونے والی تصنیف کے متعلق درست کہا گیا کہ

''طویل ہو یا مختصر اس کی ہر سطر ناگزیر اور خصوصی ہوتی ہے، وہ مواد پر زیادہ تکیہ نہیں کرتی لیکن اس کا ہیرو اس سے چھپا ہوا نہیں ہوتا، ایسی تصنیف دیکھنے میں چاہے جتنی حقیر معلوم ہو، کہہ سب کچھ دیتی ہے۔ سوانح نگار اپنے موضوع کو اسی طرح جانتا ہے جس طرح شیکسپیئر ہیملٹ کو جانتا تھا، یعنی سب کچھ۔ کارلائل کی حیات اسٹرلنگ اسی قبیل کی تصنیف تھی۔''(۴)

البتہ غیر جانب دارانہ رویے کا مثبت پہلو یہ ہے کہ جہاں تک سوانح نگار کی رسائی ہوتی ہے، وہ شخصیت سے نا انصافی یا ناجائز مدح سرائی سے گریز کرتا ہے، اس حوالے سے بہترین سوانح عمری وہ ہو گی جو نیاز مندانہ اور غیر جانب دارانہ رویے کا امتزاج ہو۔ متعصب رویے کا حامل سوانح نگار، شخصیت کے منفی پہلوؤں کی تلاش میں، شخصیت کے بہت سے روشن پہلوؤں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ ایک اچھا سوانح نگار افراط وتفریط سے دامن بچا کر راہ اعتدال اختیار کرتا ہے۔ سید شاہ علی نے دو قسم کی سوانح عمریوں کو پائیدار اور قابل اعتماد قرار دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اولاً وہ سوانح عمریاں جن کی بنیاد تخیل اور قوت تخلیق پر ہو، ثانیاً ایسی تصانیف جو معلومات، محنت، صبر، جوش، سرگرمی اور سوانح نگار کی خود عائد کردہ غیر جانب داری کا نتیجہ ہو۔ سید شاہ علی نے فن سوانح نگاری کے لوازم میں سب سے اہم عنصر سوانح نگار کی شخصیت کو ٹھہرایا ہے۔ اس ضمن میں صادق قریشی ''ذکر حالی'' میں رقم طراز ہیں۔

''سوانح نگار (بایوگرافر) کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ممدوح کی حد سے زیادہ تعریف نہ کرتا جائے اور دیانت داری کا تقاضا ہے کہ جہاں تک ہو سکے غیر جانب دارانہ حیثیت میں اس کی خوبیاں اور نقائص پیش کیے جائیں اگر مصنف کو کوئی بات پسند نہ ہو تو اس کے لیے باقاعدہ دلائل کی ضرورت ہے اور پڑھنے والوں کو اس بات کا قائل کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ تعریف بلاوجہ نہیں اگر اس کام میں مصنف ناکام رہے تو اسے ایک کامیاب سوانح نگار نہیں کہا جا سکتا۔''(۵)

سوانح نگار کا کام محض شخصیت کے محاسن و معائب بیان کرنا ہے، رائے قائم کرنا اس کے فرائض میں شامل نہیں۔ کسی سوانح کے قاری کا فرض ہے کہ وہ بذات خود نتائج اخذ کرے اور اس کی توقع سوانح نگار سے نہ رکھے کیوں کہ یہ کام قاری کا ہے نہ کہ سوانح نگار کا۔ جس طرح انسانی زندگی میں سچائی اور صداقت کی قدر مسلم ہے بعینہٖ سوانح نگاری میں اسے بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے سچائی کی اسی اہمیت کا ذکر کیا ہے۔

لکھتے ہیں:

''جہاں پبلک کے عام مذاق صحیح نہ ہوں، جہاں ظرافت اور مسخرگی اور استہزا، واقعات اور حقائق سے زیادہ مرغوب ہوں جہاں معزز اور شریف لوگوں پر پھبتیاں کہنا داخل حسن بیان سمجھا جائے .... وہاں باوجود آزادی، انصاف و دیانت کے پبلک کے دلوں کو مسخر کرنا ناممکن معلوم ہوتا ہے...... (پھر ایک لائق اخبار نویس کے فرائض کے سلسلے میں لکھتے ہیں)
ان سب کا اصل اصول راستی اور سچائی ہے اور یہ ایسا صاف، سیدھا، پرامن اور بے خطر رستہ ہے جو نہایت آسانی سے بے زحمت و مشقت طے ہوتا ہے اور کبھی منزل مقصود پر پہنچانے میں خطا نہیں کرتا۔''(۶)

اگر ایک اچھا سوانح نگار جادہ صداقت کو پرامن اور بے خطر طریقے سے طے کرے تو قاری بھی سوانح نگار کے ہیرو کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے میں خطا نہیں کرے گا اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو صورت حال بالکل برعکس ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ شخصیت پرستی اور ہیروازم نے فن سوانح کو نقصان پہنچایا اور فطری تصویر کشی کی راہ مسدود ہوئی۔ انسان نہ تو فرشتہ ہے اور نہ شیطان، وہ ان دونوں کا مجموعہ ہے پھر شخصیت کی کسی مثبت جہت کو اجاگر کر کے شخصیت کو فرشتہ ثابت کرنے کی کوشش کرنا فن سوانح کے خلاف ہے۔

سید شاہ علی رقم طراز ہیں:

''آج سچائی کی مردانہ وار تلاش پر بھی اکتفا نہیں کیا جاتا بل کہ آج تو انسان کی پیچیدہ اور سیال فطرت کا اعتراف کیا جاتا ہے...... ایک منفرد کردار مختلف اور متضاد شخصیتوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ نہ صرف ہمارے اندر ایک اصل شخصیت الگ ہوتی ہے جسے ایمان دارانہ اور گہرے مشاہدے کے بغیر سمجھنا مشکل ہے بل کہ مختلف نقاب بھی ہوتے ہیں جو حسب ضرورت و موقع اوڑھ لیے جاتے ہیں۔ ......سوانح نگاری کی ایک اور ضروری خصوصیت یعنی انسان کی مرکب شخصیت میں سے بے لاگ سچائی کا پتا لگانے کے امکان کا مطالعہ کرنا ہے۔''(۷)

۱۔ فن سوانح نگاری میں پہلا مرحلہ شخصیت کا انتخاب، جس قدر اہم ہے اسی قدر مشکل بھی۔ کیوں کہ سوانح نگار کو اس بات کا خیال رکھنا پڑتا ہے کہ جس شخصیت کا انتخاب کیا جا رہا ہے وہ پڑھنے والے کے لیے بھی اتنی ہی دل چسپی اور اہمیت کی حامل ہو جتنا سوانح نگار کے لیے۔ جب شخصیت کے انتخاب کی بات ہو تو یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ شخصیت کیسی ہو؟ شخصیت کسی عام شخص کی ہو یا خاص کی؟ یوں بڑی شخصیت اور عظیم شخصیت کے تصورات بھی ادب میں در آئے۔ پہلے شخصیت کے انتخاب میں سماجی حیثیت کو جگہ دی گئی بعدازاں اس کے ذاتی کردار نے جگہ لے لی اس طرح اس موضوع میں توسیع عمل میں آئی۔

۲۔ شخصیت کے انتخاب کے بعد ''شخصیت کا ارتقا'' کا مرحلہ آیا اور کسی شخصیت کی زندگی کا جائزہ لیتے وقت بات صرف ذات تک محدود نہ رہی بل کہ شخصیت کے آئینے میں پورا عہد سانس لیتا ہوا محسوس ہونے لگا اور سوانح

عمری کی جو تعریفیں کی گئیں ان کی جگہ اس ادبی تعریف نے لے لی کہ سوانح عمری ''فرد کی تاریخ'' ہے۔ کیوں کہ سوانح عمری بطور ایک ادبی تصنیف کے، فرد کی زندگی کی تاریخ بھی ہوتی ہے اور عہد کی آئینہ دار بھی۔ اس طرح سوانح نگار فرد کی داخلی اور خارجی زندگی کے بیان کے ساتھ جب شخصیت کے ارتقا کو زیر بحث لاتا ہے تو اس دور کی مذہبی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی تاریخ بھی اس کا حصہ بن جاتی ہے۔

۳۔ کسی بھی شخصیت کی زندگی کے واقعات کو من وعن پیش کر دیا جائے تو طوالت سوانح عمری کی افادیت کو مجروح کر دیتی ہے۔ انبیا اور رسولوں کے سوا کسی کی ساری زندگی نہ تو قابل توجہ ہوسکتی ہے اور نہ قابل تقلید، چناں چہ منتخب شخصیت کی زندگی کے اہم واقعات کا انتخاب سوانح نگار کا امتحان ہوتا ہے۔ سوانح نگار ان واقعات کا انتخاب کرے جو اس کے مقصد کی وضاحت کریں۔ سوانح نگار نہ صرف شخصیت کے اہم واقعات کو سامنے رکھے بل کہ اپنے قاری کی نفسیات کو بھی مدنظر رکھے کیوں کہ:

> ''سوانح عمری قاری کے لیے بھی سکون قلب کا باعث بن سکتی ہے، جس طرح ایک المیہ یا طربیہ انسان کے مختلف جذبات کی تہذیب و صفائی کا باعث ہوتا ہے اسی طرح زندگی کے یہ حقیقی مرقعے اسے موازنے اور پہچان کا موقع دیتے ہیں۔''(۸)

۴۔ آخر میں شخصیت کی بنت کاری اور حسن ترتیب کا مرحلہ آتا ہے۔ اس مرحلے پر سوانح نگار تخلیقی توانائی، قوت متخیلہ اور تنقیدی شعور کو کام میں لاتا ہے اور دل چسپ واقعات، کامیابیوں، ناکامیوں، نفسی دروں بینی اور معاشرتی عوامل کو توازن اور ترتیب دیتا ہے، ترتیب و تدوین کا یہی مرحلہ کامیابی کی صورت میں شروع سے آخر تک قاری کو اپنی گرفت میں لیے رکھتا ہے اور شخصیت جاوداں اور سوانح لافانی بن جاتی ہے۔

اب رہا سوانح عمری کے مواد کا مسئلہ تو، خودنوشت، یادداشتیں، روزنامچے خطوط، خاکے، سوانحی ناول، اقوال، اعمال، لطائف وظرائف، معاصرین کی شہادتیں، موضوعی، شخصی اور مدحیہ شاعری کو مواد کی فراہمی کے وسائل میں شمار کیا جاتا ہے اور موضوع کی بحث میں سنجیدگی، تکمیلیت اور عظمت کو لازمی شرائط ٹھہرایا گیا ہے۔ باالفاظ دیگر ہم کہہ سکتے ہیں کہ سوانح نگار کو درج ذیل خصوصیات کا حامل ہونا چاہیے:

ا۔ سوانح نگار ہیرو کے متعلق مکمل واقفیت رکھتا ہو (۲) سوانح نگار اپنے ہیرو سے ہمدردی رکھتا ہو (۳) سوانح نگار صداقت کا پرستار ہو (۴) ہیرو کے نسلی اور خاندانی حالات کا جائزہ لے (۵) مواد کے ذرائع تک محنت و مشقت سے رسائی حاصل کرے۔

علاوہ ازیں سوانح نگار کو چند چیزوں سے بچنے کی بھی ضرورت ہے مثلاً:

(ا) ہیرو کو مبلغ کے روپ میں پیش نہ کرے (۲) اپنی ذات کو ہیرو سے جدا رکھے (۳) سوانح نگار میں ایک ادیب کے محاسن موجود ہوں یعنی تحریر میں دل کشی اور جاذبیت، لطف بیان، حسن بیان، آمد، بے ساختگی، اختصار اور ظرافت ہو، سوانح نگاری کے مندرجہ بالا اصول، خصوصیات، مدارج اور شرائط کے پیش نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ کسی شخصیت کی سوانح حیات کو چار نقطہ ہائے نظر سے دیکھا جا سکتا ہے۔

اوّل: تاریخی نقطۂ نظر، جو سچے واقعات کا متقاضی ہے۔
دوّم: انفرادی نقطۂ نظر، جس کی رو سے ہیرو کو اپنے ہم عصروں سے ممتاز ہونا چاہیے اور ہیرو کسی حد تک سنجیدہ، مکمل اور عظمت کا حامل ہو۔
سوّم: ادبی نقطۂ نظر یعنی سوانح حیات میں وہ تمام خوبیاں موجود ہوں جن کی بنا پر کوئی ادبی تخلیق بلند مقام حاصل کرتی ہے اور
چہارم: سائنسی نقطۂ نظر: اس سے مراد یہ ہے کہ جس طرح سائنس میں اسباب و علل سے بحث کی جاتی ہے اسی طرح اسباب و علل کی روشنی میں ہیرو کے حالات کا جائزہ لینا کہ ہیرو پر مخصوص حالات اور ماحول کا اثر کس حد تک پڑا۔

(۲)

اب ہمیں مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں اس بات کا جائزہ لینا ہے کہ حالی بطور سوانح نگار کیسے ہیں۔ ایک اقتباس دیکھیے:

> ''یہ تو ظاہر ہے کہ حالی ایک سوانح نگار تھے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ کوئی شخص سوانح نگاری کے کسی موضوع کے لیے قلم اٹھاتا تب ہی ہے پہلے اسے اپنے موضوع کے ساتھ دل چسپی ہو، اور صاحب یہ دل چسپی تفریحی تو نہیں ہوسکتی یہ تو وہ دل چسپی ہوگی جو محبت یا عقیدت کے جذبے سے ہی ابھر سکتی ہے......اور جب کوئی شخص محبوبی کی صف میں شامل ہو جاتا ہے تو معلوم ہے کہ اس کی ذات ایک خاص جذبے کا محور و مرکز قرار پا جاتی ہے۔ یہ چیز سوانح نگاری کی بنیادی ماہیت میں داخل ہے کہ اس کی اساس ایک جذباتی رشتے پر قائم ہو۔''(۹)

ڈاکٹر سید عبداللہ کے خیالات کا ماحصل یہ ہے کہ سوانح نگاری ایک مصوری کی مانند ہے جس میں تخلیق کار مختلف رنگ بھرتا ہے اور سوانح نگار کو اس قاعدہ سے الگ نہیں کیا جا سکتا، ان کا یہ کہنا بجا سہی لیکن حالی کی سوانح نگاری میں قباحت یہ ہے کہ جذبے اور عقیدت کا رنگ اتنا گہرا ہوتا ہے کہ باقی تمام رنگ پھیکے اور ماند پڑ جاتے ہیں گویا موضوع سے دل چسپی اور چیز ہے اور جذبہ عقیدت سے مغلوبیت دوسری چیز۔ اس خامی کے نتیجے میں حالی کی سوانح نگاری یک رخی تصویر بن کر ہمارے سامنے آتی ہے اس کا سبب دراصل حالی کا اخلاقی اور افادی نقطۂ نظر ہے۔
''اخلاقی نقطۂ نظر ایک مستقل ادبی قدر ہے جو حالی کے ذہن پر چھائی ہوئی ہے''(۱۰)

جو شخص شعر کے لیے اخلاق کے تعلق کو بالواسطہ قرار دے، اس سے کیسے یہ توقع رکھی جا سکتی ہے کہ وہ سوانح نگاری کی صنف پر اس نظریے کو لاگو نہ کرے۔ نیز حالی کے دور میں مسلمان جس اخلاقی پستی کا شکار تھے اس کا تقاضا تھا کہ سیرت کے اوصاف نمایاں کیے جائیں اور عوام میں تقلید کا رجحان پیدا کر کے معاشرتی مسائل کا حل، اخلاقی قدرروں کے ذریعے تلاش کیا جائے۔ ہیرو ازم کے تصور نے حالی کی سوانح نگاری میں صداقت کو پنپنے کا موقع نہ دیا

اور یک رخی تصویر ہمارے سامنے آئی۔

کسی سوانحی تصنیف میں سوانح نگار کی شخصیت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ آئینے میں اپنا عکس نظر آتا ہے کے مصداق، حالی کو اپنی ذات میں موجود طبعی شرافت، محبت، سلامت روی اور خلوص وصداقت اپنے ہیرو میں بھی دکھائی دیتی ہے یہی وجہ ہے کہ حالی کے دور کی مجبوریوں اور حالی کی شخصی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہوئے اور حالی کے سامنے اردو سوانح نگاری کا کوئی مکمل نمونہ نہ ہونے کے سبب سوانح نگار حالی کے لیے رائے قائم کرتے وقت دل میں نرم گوشہ پیدا کیا جا سکتا ہے۔ مولوی عبدالحق نے صحیح ذوق، انہماک اور خلوص وصداقت کو حالی کی سیرت کے نمایاں اوصاف قرار دیا ہے اور ان کی سوانح نگاری کو بھی ان خصوصیات کا حامل قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> ’’......ان کی سوانح عمریوں کے کردار نیک سیرت اور اعلیٰ مرتبت ہوتے ہیں مگر حالی نے ان کی تعریف میں مبالغے سے کام نہیں لیا ہے، یہ سوانح عمریاں ادبی نقطۂ نظر سے صداقت اور صحت کی حامل ہیں۔‘‘(۱۱)

تاہم اس امر پر سب کا اتفاق ہے حالی نے اپنی سوانح عمریوں میں حالات و واقعات کے بجائے کارناموں پر زیادہ زور دیا ہے، جو ایک فنی خامی ہے اور حالی کو اس الزام سے بری نہیں کیا جا سکتا۔ ادب میں کوئی بھی چیز حرف آخر نہیں ہوتی، تغیر وتبدل، ترمیم و اضافہ اور تائید و تردید کے دریچے ہر صنف پر وا ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ اس موقع پر اگر ہم آل احمد سرور کی اس رائے کا حوالہ دیں، جس میں انھوں نے مولانا کی سیرت نگاری کے حسن وقبح کا جائزہ لیا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ فرماتے ہیں:

> ’’حالی نے اردو میں جدید سوانح نگاری کو تذکرہ کی روش سے آزاد کیا، حیات سعدی، یادگار غالب اور حیات جاوید تینوں میں حالی کے چند اصول صاف نظر آتے ہیں، اول تو عام طور پر وہ واقعات کی چھان بین کر کے ایک سنجیدہ، مدلل اور واضح پیرائے میں لائف بیان کرتے ہیں وہ حالات پر توجہ کم کرتے ہیں کارناموں پر تنقید زیادہ، ان کی طبیعت میں اعتدال اور ان کے اسلوب میں ہمواری ہے وہ اپنے ممدوح کی بہت زیادہ تعریف نہیں کرتے، وہ دراصل شخصیت پرست نہیں، اصول پرست ہیں، ان کا ایک قومی اور اخلاقی نقطۂ نظر ہے اسی اخلاقی اور قومی نقطہ نظر سے وہ شخصیتوں کا انتخاب کرتے ہیں اور جیسا کہ انھوں نے ’’حیات جاوید‘‘ کے دیباچے میں لکھا بھی ہے، کوشش کرتے ہیں کہ ’ہر ایک کا کھوٹا اور کھرا ٹھوک بجا کر دیکھیں‘ بعض اوقات یہ کوشش کامیاب نہیں ہوتی اور کتاب میں تعریف کا پہلو غالب آ جاتا ہے۔ شبلی نے اسی وجہ سے حالی کے اسلوب کو پرفریب اور حیات جاوید کو کتاب المناقب کہا ہے۔‘‘(۱۲)

آل احمد سرور کی یہ رائے حالی کی سوانح نگاری پر ایک معتدل محاکمہ ہے، لیکن شخصیت پرستی اور اصول پرستی والا معاملہ متنازعہ ہے کیوں کہ حالی اگر محض اصول پرست ہوتے تو ان کی سوانح عمریوں پر مدلل مداحی یا کتاب المناقب کے الزامات نہ لگائے جاتے۔

(۳)

''حیات سعدی'' زمانی اعتبار سے حالی کی پہلی باقاعدہ اُردو سوانحی تصنیف ہے۔ (واضح اور معتبر شہادتوں کی بنا پر ۱۸۸۶ء کو قرین قیاس تصور کیا گیا ہے)

''حالی کو سعدی سے عصری قرب حاصل نہیں تھا اس لیے حالی نے سعدی کے متعلق جو کچھ لکھا اس کا مدار ''شنیدہ'' پر ہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی عصری بُعد کو تحقیق کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ ایک مقام پر حالی سے ابتدائی تعارف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔''اگر انھیں دیکھنے یا ان سے ملنے کا موقع پیدا ہوتا تو ان کے مداحوں کی طرح میں بھی ان کی شاعری اور شخصیت کو خلط ملط کر دیتا۔''(۱۳)

زمانی بُعد اور انقلاب نے سعدی کے حالات زندگی کو پردہ خفا میں رکھا اور حالی کے لیے بہت سی مشکلات پیدا ہوئیں۔ ان مشکلات کا ذکر ''حیات سعدی'' کے دیباچے میں اس طرح کرتے ہیں:

''مشکل یہ ہے کہ قدما میں جو سب سے زیادہ مشہور ہیں ان کے بھی مفصل حالات دستیاب ہونے سخت دشوار بل کہ ناممکن ہیں۔ صرف تذکروں میں کچھ کچھ مختصر حال درج ہے لیکن اس سے کسی کی لائف ترتیب وار لکھنی ہرگز ممکن نہیں ہم نے اس خیال سے کہ شیخ سعدی شیرازی کا نام حد سے زیادہ مشہور ہے شاید ان کے مفصل حالات بہم پہنچ جائیں۔ ان کی سوانح عمری لکھنے کا ارادہ کیا تھا۔ مگر .... شیخ کی تصنیفات پر بھی اجمالی تعریف کے سوا کسی نے کوئی بات ایسی نہیں لکھی جس سے اس کے کلام کی عظمت اور واقعی خوبیاں معلوم ہوں۔''(۱۴)

مگر ''حیات سعدی'' کی تصنیف اس بات کی گواہ ہے کہ سوانح نگار حالی ان مشکلات سے بخوبی عہدہ برآ ہوئے اور انھوں نے اکثر انگریزی اور فارسی تذکروں، اور شیخ کی تصنیفات سے استفادہ کیا اور بظاہر مایوسی کے باوجود تذکروں کے علاوہ شیخ کے کلام سے حالات استنباط کیے اور عہد کی تاریخ سے واقعات کا سراغ لگایا، علی بن احمد جامع کلیات شیخ کے دیباچے سے کچھ باتیں اخذ کیں، کچھ انگریزی کتابوں سے مدد لی اور ان تمام واقعات کو لائف کی صورت میں مرتب کیا (ان تمام مآخذ کا حوالہ حالی نے حیات سعدی کے دیباچے میں دیا ہے) حالی کی اس دیدہ ریزی کا اعتراف محققین و ناقدین نے کھلے دل سے کیا ہے۔ اے-سوخاچیف نے اپنے مضمون ''حالی اور مرزا غالب'' میں لکھا ہے:

''دو ہی ایسے شاعر ہیں جن کے حالات و کیفیات کے مطالعے اور جائزے میں حالی نے بڑی جفاکشی اور دیدہ ریزی سے کام لیا ہے ایک غالب دوسرے سعدی .... انھوں نے اپنی تصنیف ''حیات سعدی'' (۱۸۸۴ء-۱۸۸۶ء) میں تمام تر توجہ ان پر غور و فکر میں صرف کر دی۔۔۔''(۱۵)

رہا یہ سوال کہ حالی کے سامنے فارسی کے بہت عظیم شعرا گزر چکے تھے پھر آخر وہ کیا تحریک تھی جس نے حالی سے سعدی شیرازی کا انتخاب کروایا۔ صالحہ عابد حسین رقم طراز ہیں:

> ''اس کی ایک وجہ تو یہ نظر آتی ہے کہ فارسی شاعروں میں سب سے زیادہ جس شاعر نے انھیں متاثر کیا وہ سعدی ہیں۔ اس کی انھیں سعدی سے ایک خاص لگاؤ اور گہری دل چسپی ہے۔ سعدی کی شخصیت اور اس سے بھی زیادہ ان کے ادبی کارناموں نے حالی کو ان کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ سعدی نے اپنے قلم سے اخلاقی اصلاح کا کام لیا تھا اور حالی طبعًا اس چیز سے بہت متاثر ہوئے، حالی کے اپنے کلام پر سعدی کا اثر کافی پایا جاتا ہے۔ شاید اسی وجہ سے لوگ ان کو ''سعدی ہند'' کہنے لگے۔''(۱۶)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حالی کو اپنے موضوع سے خاص لگاؤ تھا۔ وہ سعدی کے ادبی کارناموں سے متاثر تھے۔ بالخصوص سعدی کی اخلاقی اصلاح۔ حالی کی تمام ادبی تحریروں میں ان کا افادی نقطہ نظر نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ حالی کے اس نقطہ نظر نے ان کی تحریروں میں کہیں کہیں فن کو مجروح کیا ہے لیکن حیات سعدی میں حالی کے اخلاقی و افادی نقطہ نظر پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالقیوم کہتے ہیں:

> ''بیوگرافی اخلاق کی نسبت ایک اعتبار سے زیادہ سودمند ہے کیوں کہ علم اخلاق سے صرف نیکی اور بدی کی ماہیت معلوم ہوتی ہے اور بیوگرافی سے اکثر نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کی نہایت زبردست تحریک دل میں پیدا ہوتی ہے۔ دراصل نیکی کو عام کرنے اور مسلمانوں میں اعمال صالحہ کو اختیار کرنے کا جذبہ حالی کے نزدیک سب سے اہم تھا اور سعدی کا انتخاب اسی وجہ سے کیا گیا تھا۔''(۱۷)

تمام محققین اس امر سے متفق ہیں کہ حالی اور سعدی میں بہت سی مماثلتیں پائی جاتی تھیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ ان مماثلتوں کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں:

> ''حالی اور سعدی دونوں جامع نظم و نثر تھے، دونوں شاعری اور نثر نگاری میں ایک طرز نو کے موجد تھے۔ دونوں صنعت، تکلف، مبالغہ اور اغراق سے متنفر تھے...... دونوں کی چند سادہ طرز کی لکھی ہوئی کتابیں ان کی شہرت کی ضامن و کفیل ہوئیں اگر بوستان اقصائے عالم سے خراج تحسین حاصل کر رہی ہے تو مسدس بھی قبول خاطر میں کسی سے کم نہیں۔ غرض حالی نے سعدی کے آئینے میں اپنے آپ کو تلاش کرنے کی کوشش کی ہے اور کوئی تعجب نہیں کہ بہت سے اصلاحی خیالات سعدی ہی کے روحانی اثر کے رہین منت ہیں۔''(۱۸)

سید شاہ علی نے ڈیل ڈول، قد و قامت اور متاہلانہ مشابہت کا اضافہ کیا ہے۔ دراصل یہی وہ مذاجی تطابق تھا جس نے حالی کو حیات سعدی لکھنے پر مجبور کیا۔ حیات سعدی میں واقعات کے بیان میں حالی نے مصنفین کی آراء کو بلاتحقیق قبول نہیں کیا بل کہ اپنے تحقیقی شعور سے بھی کام لیا ہے۔ جدید سوانح نگاری کے اصولوں سے واقفیت کا ثبوت

حالی نے دیباچے میں دیا ہے۔ ''حالی کی بیوگریفی میں اکثر مورخانہ تدقیق کی جاتی ہے اور واقعات سے منطقی طور پر نتائج استخراج کئے جاتے ہیں۔''(۱۹)

حالی نے سعدی کے واقعات سے منطقی طور پر نتائج اخذ کیے ہیں اور اس اصول کو فراموش نہیں کیا، علاوہ ازیں حالی نے ''حیات سعدی'' کے سوانحی حصے میں بھر پور صداقت سے کام لیا ہے مثلاً بوستان کے آٹھویں باب میں سعدی نے سومنات کی مورت کے معجزے کا حال معلوم کرنے کا جو دعویٰ کیا اور اس پر اعتراض کیا گیا کہ مشہور و معروف مندر کبھی پجاریوں سے خالی نہ رہتا تھا اور اگر رات کے وقت صرف سعدی ہی تھے تو مندر کے اندر پردے کے پیچھے پجاری کی کیا ضرورت تھی کیوں کہ مورت کے ہاتھ کو جنبش پجاریوں اور مجمع کی موجودگی میں دی جاتی تھی تا کہ لوگوں کو متاثر کیا جا سکے۔ حالی اس اعتراض کو تسلیم کرتے ہوئے اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اس واقعہ کی تمام جزئیات کی تصویر شیخ سے پوری طرح نہیں کھنچ سکی۔ حالی نے سعدی کی عمر کا مسئلہ، ریختہ میں شعر کہنا، چار مرتبہ ہندوستان آنے کا واقعہ، شیخ عبدالقادر جیلانی کی مریدی اور سعدی کے تخلص ایسے متنازعہ مسائل کے حل کے لیے اپنی تحقیقی جستجو اور سوانح نگارانہ اوصاف سے بھر پور کام لیا ہے اور حتمی فیصلے دیے ہیں۔ حالی نے سعدی کو بطور انسان پیش کیا ہے اور سعدی کے عیوب پر لطیف تاویلیں پیش کی ہیں۔ مثلاً بادشاہ زادے کے کہنے پر حکیم سوزی کی روش پر ہزل لکھنے کا حکم بجالانا، والے واقعہ پر حالی کہتے ہیں:

> ''یہ تمام ہزلیات دل کی اپج اور طبیعت کی امنگ سے نہیں بل کہ محض نفرت و کراہت کے ساتھ لکھی گئی ہیں۔''(۲۰)

حالی نے سعدی کے امرد پرستی کے واقعے کا اعتراف تو کیا ہے مگر اس انداز سے کہ سعدی کے کردار کو آلودہ اور ملوث نہ کیا جائے، اس واقعہ کو محض سعدی کے ''عاشقانہ مزاج'' اور ''حسن پرستی'' کی خصوصات پر محمول کیا ہے۔ تاہم شیخ کے کلیات کا سب سے اخیر حصہ مجموعہ ہزلیات کو، حالی نے، شیخ کے عارض کمال پر ایک بدنما مسہ کہا ہے جو شیخ کی شان سے نہایت بعید اور اس کے فضل و کمال و بزرگی کے بالکل منافی ہے۔ جہاں تک حالی کے اسلوب کا تعلق ہے تو ''حیات سعدی'' حالی کے دل کش اسلوب کی عمدہ مثال ہے۔ حالی کی دوسری اہم سوانح عمری ''یادگار غالب'' ہے جو ''حیات سعدی'' پر اس لحاظ سے فوقیت رکھتی ہے کہ حالی نے غالب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا یعنی حیات سعدی کی بنیاد ''شنیدہ'' پر تھی تو یادگار غالب کی بنیاد ''دیدہ'' پر۔ لیکن حالی اور غالب کا ساتھ زیادہ نہیں رہا۔ حالی نے غالب کا عہد پیری دیکھا تھا، عہد نو جوانی نہیں۔ تاہم حالی کا تعلق غالب سے اس لحاظ سے اہم ہے کہ حالی، مرزا غالب کے شاگرد تھے اور حالی، غالب سے عقیدت کا رشتہ رکھتے تھے۔ مولوی محمد اسماعیل پانی پتی کے نزدیک حالی نے حق شاگردی ''یادگار'' کی صورت میں ادا کر دیا۔

> ''غالب کے عزیز شاگرد اور بھی تھے اور ان میں سے اکثر بڑے فاضل اور ادیب بھی ہوئے ہیں۔ ان کو مولانا حالی کی نسبت غالب کے پاس اٹھنے، بیٹھنے اور ان کی صحبت سے استفادہ کے زیادہ مواقع بھی حاصل رہے مگر ان میں سے کسی ایک نے بھی اس بات کا خیال نہ کیا کہ

شاگردی کا حق ادا کر کے استاد کی کوئی مبسوط سوانح عمری لکھتے ''یہ توفیق خدا نے حالی ہی کو دی''۔ (۲۱)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے حالی کا اصل مقصد ''یادگار غالب'' لکھنے کا کیا تھا؟ اس سلسلے میں مولانا حالی دیباچے میں لکھتے ہیں:

''اگرچہ مرزا کی تمام لائف میں کوئی بڑا کام انکی شاعری اور انشاء پردازی کے سوا نظر نہیں آتا۔ مگر صرف اسی ایک کام نے ان کی لائف کو دارالخلافہ کے اخیر دور کا ایک مہتمم بالشان واقعہ بنا دیا ہے اور میرا خیال ہے کہ اس ملک میں مرزا پر فارسی نظم ونثر کا خاتمہ ہو گیا ہے اور اردو نظم ونثر پر بھی ان کا کچھ کم احسان نہیں ہے، اسی لئے کبھی کبھی مجھ کو اس بات کا خیال آتا تھا کہ مرزا کی زندگی کے تمام حالات جس قدر کہ معتبر ذریعوں سے معلوم ہو سکیں اور ان کی شاعری و انشاء پردازی کے متعلق جو امور کہ احاطہ بیاں میں آ سکیں اور ابنائے زماں کی فہم سے بالاتر نہ ہوں، ان کو اپنے سلیقے کے موافق قلم بند کروں۔'' (۲۲)

ذرا آگے چل کر حالی اسی موضوع پر بات کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''اصل مقصود اس کتاب کے لکھنے سے شاعری کے اس عجیب وغریب ملکہ کا لوگوں پر ظاہر کرنا ہے جو خدا تعالیٰ نے مرزا کی فطرت میں ودیعت کیا تھا، اور جو کبھی نظم ونثر کے پیرائے ہیں، کبھی ظراف اور بذلہ سنجی کے روپ میں، کبھی عشق بازی اور رند مشربی کے لباس میں، اور کبھی تصوف اور حب اہلبیت کی صورت میں ظہور کرتا تھا پس جو ذکر ان چاروں باتوں سے علاقہ نہیں رکھتا اس کو کتاب کے موضوع سے خارج سمجھنا چاہئے۔'' (۲۳)

کتاب کا مقصد تو واضح ہو گیا لیکن جہاں تک ''زندگی کے عام حالات'' کا تعلق ہے تو حالی نے اس ضمن میں اختصار سے کام لیا ہے اور ایک سوانح نگار کے فرائض ادا کرنے میں کوتاہی برتی ہے اور واقعات زندگی کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔ حالی نے مرزا کی شاعرانہ عظمت کو تسلیم تو کیا ہے لیکن اس بات کا خیال نہیں رکھا کہ شعرا کی زندگیوں میں بھی حالات و واقعات ایک خاص اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ حالات و واقعات کی اس اہمیت کا ذکر دیباچے میں کرتے ہیں کہ:

''اگرچہ مرزا کی لائف جیسا کہ ہم آئندہ کسی موقع پر بیان کریں گے ان فائدوں سے خالی نہیں ہے جو ایک بائیوگرافی سے حاصل ہونے چاہئیں لیکن اگر ان فائدوں سے قطع نظر کی جائے تو بھی ایک ایسی زندگی کا بیان، جس میں ایک خاص قسم کی زندہ دلی اور شگفتگی کے سوا کچھ نہ ہو، ہماری پژمردہ اور دل مردہ سوسائٹی کے لیے کچھ کم ضروری نہیں ہے۔'' (۲۴)

یہاں حالی کا افادی نقطہ نظر بالکل واضح ہے جو کہ دراصل حالی کی ہر ادبی تحریر کا طرۂ امتیاز ہے۔ سید عبدالقیوم، حالی کے اس نقطہ نظر پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''جہاں تک مرزا کی شگفتگی اور پر بہار شخصیت کا تعلق ہے اس سے بھی حالی قوم کے لیے ایک سبق اور نمونہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔ سیاسی زوال اور معاشی انحطاط کی وجہ سے پوری مسلمان قوم میں اضمحلال کی صورت پیدا ہو گئی تھی اور اس کی ہمتیں ایسی پست اور عزائم اس قدر پژمردہ ہو چکے تھے کہ وہ ہر عملی پروگرام سے گھبراتے اور جدوجہد سے گریز کرتے تھے۔ افادیت کا یہ پہلو حالی کے ہمیشہ پیش نظر رہا۔''(۲۵)

لیکن قباحت یہ ہے کہ حالی کا سوانحی نقطہ نظر ہمیشہ واقعات کے بجائے کارناموں پر غالب رہا۔ اسی لیے غالب کی زندگی کے بہت سے گوشے ہماری نگاہوں سے اوجھل رہے اور بہت سے ایسے واقعات تشنہ رہے جن کا بیان تفصیل سے ہونا چاہیے تھا لیکن حالی ان پر سے سرسری گزر گئے۔ یہی وجہ ہے کہ ''مرزا کی لائف'' کے عنوان سے پہلا حصہ، کتاب کے دوسرے حصے بعنوان ''مرزا کے کلام پر ریویو اور اس کا انتخاب'' کی نسبت بہت کم ہے۔ حالی، مرزا کے ذاتی حالات کو ماحول کے ساتھ واضح کرنے میں ناکام رہے اور مرزا سے قربت کے باوجود حالات کے جمع کرنے میں کاوش سے کام نہیں لیا جب کہ دیباچہ میں اس کا دعویٰ بھی کیا ہے۔

''میں نے مرزا کی تصنیفات کو دوسروں سے مستعار لے کر جمع کیا، اور جس قدر اس میں ان کے حالات اور اخلاق و عادات کا سراغ ملا ان کو قلم بند کیا، اور جو باتیں اپنے ذہن میں محفوظ تھیں یا دوستوں کی زبانی معلوم ہوئیں ان کو ضبط تحریر میں لایا۔''(۲۶)

لیکن ''یادگار غالب'' کے مطالعہ کے بعد کسی ایسی کاوش کا پتا نہیں چلتا، نہ ہی حالی نے ان دوستوں کے نام بتائے جن سے حالی نے مرزا کی ''تصنیفات مستعار لیں'' یا حالات واقعات و عادات کا سراغ لگایا۔ حتیٰ کہ ''یادگار'' کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حالی نے تو مکمل طور پر غالب کی تصنیفات سے بھی استفادہ نہیں کیا تاہم اولیت کا سہرا حالی کے سر ہی ہے۔ حالی نے غالب کی عادات و خصائل کے ضمن میں غالب کی شخصیت کے منفی پہلوؤں کی بھی پردہ پوشی کی ہے مثلاً قید ہونے کا واقعہ، مذہب کا معاملہ اور ناؤنوش کی عادت وغیرہ اور واقعات کی چھان بین میں تاریخی اور تحقیقی اغلاط کا بھی ارتکاب کیا ہے جن کی طرف ڈاکٹر وحید قریشی نے مطالعہ حالی اور خلیل الرحمٰن داؤدی صاحب نے یادگار کے مقدمے اور حواشی میں تفصیلاً اشارہ کیا ہے۔ اس وقت اتنا جان لینا کافی ہے کہ حالی نے اس امر کا اعتراف ''خاتمہ'' میں کیا ہے۔

''چاہو اس معتقدانہ جوش عصبیت کا نتیجہ سمجھو جو انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتا ہے اور چاہو اس یقین کا ثمرہ خیال کرو جو نہایت زبردست شہادتوں سے حاصل ہوتا ہے۔''(۲۷)

اور اس ''معتقدانہ جوش عصبیت'' نے حالی کی سوانح نگارانہ حیثیت کو نقصان پہنچایا۔ ''حیات جاوید'' حالی کی تیسری اور آخری اہم سوانحی تصنیف ہے جسے بقول سید کوثر حسین:

''مولانا نے یہ کتاب ۱۸۹۴ء میں لکھنی شروع کی تھی مگر ۱۹۰۱ء میں مکمل ہوئی اور سرسید کی وفات کے تین سال بعد شائع ہوئی۔''(۲۸)

جب کہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی کے بقول:

''کامل چھ برس کی محنت تلاش اور تحقیق کے بعد مولانا نے نہایت نفاست کے ساتھ یہ کتاب ۱۹۰۱ء میں نامی پریس کانپور سے چھپوا کر شائع کی۔''(۲۹)

حالی نے اس سوانح عمری کو مرتب کرتے وقت خاصی محنت و مشقت سے کام لیا ہے کیوں کہ حالی کی نظر میں سرسید احمد خان کی شخصیت بہت اعلیٰ اور ارفع تھی۔ سرسید احمد خان کی شخصیت، سوانح نگارانہ نقطہ نگاہ سے سنجیدگی، تکمیلیت اور عظمت کی حامل تھی۔ حالی کے نزدیک اہم کارنامہ، سرسید کی سیاسی خدمات اور قومی جذبہ تھا اس لیے سرسید کی شخصیت ان کے نزدیک اہم قرار پائی۔ دیباچے میں لکھتے ہیں:

''سرسید احمد خان مرحوم کے جہاں ہم پر اور بہت سے احسانات ہیں۔ انھی میں سے ایک بہت بڑا احسان یہ ہے کہ وہ ہمارے لیے ایک ایسی بے بہا زندگی کا نمونہ چھوڑ گئے ہیں جس سے بہتر ہم اپنی موجود حالت کے مطابق کوئی نمونہ قوم کی تاریخ میں نہیں پاتے، اگرچہ ہماری قوم میں بڑے بڑے اولوالعزم بادشاہ، بڑے بڑے دانش مند وزیر اور بڑے بڑے بہادر سپہ سالار گزرے ہیں مگر ان کے حالات اس کٹھن منزل میں جو ہم کو اور ہماری نسلوں کو درپیش ہے براہ راست کچھ رہبری نہیں کر سکتے۔ ہم کو اب دنیا میں محکوم بن کر رہنا ہے اور اس لیے وہ لیاقتیں جو سلطنت اور کشور کشائی کے لیے درکار ہیں ہمارے لیے بے سود ہوں گی ...... البتہ سرسید کی لائف ہمارے لیے ایک ایسی مثال ہے جس کی پیروی سے ممکن ہے کہ ہماری قوم کی یہ کٹھن منزل جو تنگنائے دنیا میں ظاہراً اس کی سب سے آخری منزل ہے آسانی کے ساتھ طے ہو جائے۔''(۳۰)

بہرحال سرسید کی عظمت کا راز حالی کی نظر میں یہ تھا کہ انتشار اور بحران کے دور میں:

''سرسید نے سیاست کا اثباتی پہلو اختیار کر کے مسلمانوں کو زندہ رہنے کا سبق سکھایا اور نگریزی علوم ہی کی مدد سے انگریزی سیاست کی کاٹ کی ...... ۱۸۵۷ء کے بعد عرصے تک عام ہندوستانیوں میں کوئی خاص شعور سوائے مذہبی شعور کے نہ تھا۔ سرسید نے اس طرح اس شعور کو جاگزیں کرنے کی کوششیں کی اور اس تحریک کو ایک ایسی ذہنی تحریک بنادیا جس کے اثرات آج تک جاری و ساری ہیں۔''(۳۱)

اور واقعی زندہ رہنے کا یہ سبق سرسید ہی دے سکتے تھے اور عظمت رفتہ کو بحال کرنے کا طریقہ بھی سرسید ہی بتا سکتے تھے۔ دراصل حالی، سرسید کی سوانح حیات لکھنے کے لیے انتہائی موزوں شخصیت کے حامل تھے۔ انھوں نے سرسید کے ساتھ اپنی زندگی کے پچیس سال گزارے۔ حالی اور سرسید کا یہ ایک طویل ساتھ تھا۔ حالی پر سرسید کے اثرات پر ڈاکٹر وحید قریشی اپنی ناقدانہ رائے اس طرح دیتے ہیں:

''سرسید سے لے کر عطاء اللہ تک جو بھی چاہتا مولانا کو دبا لیتا تھا...... زندگی میں جب کسی نے

ان پر کوئی احسان کیا، حالی احسان کا پہاڑ بنا کر اس کے دامن میں بیٹھ کر تمام عمر شکرانے کے نفل پڑھتے رہتے تھے۔'' (۳۲)

حقیقتاً، حالی کی شخصیت اور زندگی میں احسان مندی کا پہلو بہت نمایاں تھا اور اس میں افراد کے معاملے میں کوئی تخصیص نہیں تھی۔ وہ شخص جو اپنے ملازم (عطاء اللہ) کی بدمزاجی کو یہ کہہ کر برداشت کرے کہ کبھی یہ ناراض ہو جاتے ہیں کبھی ہم، آج ان کی باری تھی تو یہ ناراض ہو لیے، ان سے یہ کیسے توقع رکھی جا سکتی ہے کہ وہ ایک ایسی ذات کے اثرات قبول نہ کرتے جس کے ساتھ انھوں نے اپنی زندگی کے پچیس سال گزارے ہوں۔

''حیات جاوید'' کے دیباچے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حالی نے سرسید کی سوانح حیات لکھنے کا ارادہ اس وقت کر لیا تھا جب انھوں نے علی گڑھ یونیورسٹی کی بنیاد ڈالی تھی مگر اس وقت سرسید کی شخصیت پہلی رات کے چاند کی سی تھی کہ کسی نے دیکھا اور کسی نے نہ دیکھا۔ رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' کے اجراء کے بعد وہ چودھویں رات کے چاند کی طرح سب پر روشن ہو گئے۔ درحقیقت حیات جاوید آنے والے مسافروں کی تاریک زندگیوں میں روشنی کا ذریعہ ہے۔ جہاں تک ''حیات جاوید'' کی ترتیب کا تعلق ہے تو حالی نے مختلف ذرائع سے فائدہ اٹھایا ہے مثلاً کرنل گراہم بیل کی مختصر سوانح عمری کا مطالعہ کیا، منشی سراج الدین کے مسودے سے فائدہ اٹھایا، مواد کی فراہمی کے لیے خود علی گڑھ میں قیام کیا۔ علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ، تہذیب الاخلاق اور سرسید کی جملہ تصانیف سے بھی استفادہ کیا۔ سرسید کے خطوط کو بھی ذہن میں رکھا۔ دوسروں کے بیانات پر غور کیا، موافق اور مخالف رسائل، انگریزی اخبارات اور سرکاری رپورٹوں سے مدد لی اور مدبران سلطنت کی تحریروں کو مدنظر رہا۔ غرض یہ کہ حالی نے ''حیات جاوید'' کی ترتیب کے لیے ہر ممکن طریقے سے اس قدر مواد حاصل کیا کہ:

> ''اگر اس تمام ذخیرے کو مرتب کیا جاتا تو اس کی وسعت کا احاطہ کرنے کے لیے کئی ضخیم جلدوں کی ضرورت ہوتی۔'' (۳۳)

''حیات جاوید'' دو حصوں میں منقسم ہے، پہلے حصے میں سرسید کے خاندان ذکر ہے۔ ان کے ننھیال کے حالات، حالی نے 'سیرت فریدیہ'' سے اخذ کیے ہیں۔ سرسید کے بچپن کے حالات اور ان کی جوانی کے ایام کا نقشہ کھینچا ہے اور ان کی رنگین مزاجی کا تذکرہ کیا ہے اور مجروں میں سرسید کی شرکت کا حال بھی بیان کیا ہے مگر حالی نے سرسید کے شباب کا زیادہ تفصیل سے تذکرہ نہیں کیا، ممکن ہے کہ حالی یہ سوچتے ہوں کہ اس طرح سرسید کی عظمت میں فرق آئے گا لیکن سرسید نے ان باتوں کا اعتراف خود کیا ہے کہ لڑکپن میں خوب کبڈیاں کھیلیں، کنکوئے اڑائے، کبوتر پالے اور ناچ مجرے دیکھے۔ لیکن حالی نے ان باتوں کی تفصیل سے گریز کیا ہے جب کہ بطور سوانح نگار ان کا فرض تھا کہ سرسید کی شخصیت کے منفی پہلوؤں کی بھی نقاب کشائی کرتے۔ حالی کا ایسا نہ کرنے کا ایک سبب تو یہی ہے جس کا ذکر انھوں نے دیباچے میں کیا کہ ''ہندوستان میں کرٹیکل بائیوگرافی کا زمانہ نہیں آیا'' اس لیے حالی نے ہیرو کے اوصاف نمایاں

کرنے کی کوشش کی۔ دوسرا سبب جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا، حالی پر سرسید کے گہرے اثرات اور تیسرا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ حالی اپنے ہیرو کے متعلق ہمدردانہ نقطہ نظر رکھتے ہیں اور عیوب کی نشان دہی بھی اسی انداز میں کی ہے اور یہ نقطہ نظر، دراصل حالی کے جذبۂ عقیدت کا نتیجہ ہے، یہی وجہ ہے کہ جب حیات جاوید لکھنے کے ارادہ کا اظہار کیا گیا تو ''حالی کا اخلاص و عقیدت دیکھ کر سرسید بھی اس پر آمادہ ہو گئے تھے کہ ان سے تعاون کریں۔'' (۳۴)

پھر ایک طرف سرسید کا یہ کہنا کہ مناسب ہے کہ نکتہ چینی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے اور دوسری طرف اس پر عمل نہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ اس دور میں حالی کے ہاتھ میں اصلاح کا جھنڈا تھا اور وہ سرسید کی خامیاں نہیں نکال سکتے تھے کیوں کہ یہ ان کے دور کی مجبوری تھی کہ لوگ حقائق کی تاب نہیں لا سکتے تھے۔ آل احمد سرور ''یادگارِ حالی'' میں اس کی تائید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''اگر آج یہ ثابت ہو جائے کہ غالب واقعی جوا کھیلتے تھے تو اس سے غالب کی عظمت پر کوئی حرف نہ آئے گا۔ مگر انیسویں صدی اس قدر روادار نہیں تھی وہ صرف فرشتہ صفت لوگوں کو ہیرو بناتی تھی انسانی کم زوریاں اس کے نزدیک قابل معافی نہ تھیں۔ سرسید کے معاملے میں بھی یہی بات تھی۔ حیات جاوید سرسید کے انتقال کے تین سال بعد شائع ہوئی۔ ایسے میں سرسید پر ایک کڑی تنقید کی امید فضول ہے۔'' (۳۵)

اور حالی، سرسید کو ایک اعلیٰ نمونہ بنا کر پست ہمت قوم کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے تا کہ ان میں دوبارہ ولولہ اور جوش پیدا ہو سکے۔ حالی کے ذہن پر سوانح نگاری کا اخلاقی پہلو نقش ہو چکا تھا اور ان کے مدنظر اصلاحی اصول تھا جس کی روشنی میں وہ سرسید کے کردار کو جانچتے تھے۔ ''حیات جاوید'' کا پہلا حصہ حالات و واقعات پر مبنی ہے اور دوسرا حصہ تصنیفات و کارناموں پر مشتمل۔ سرسید کی ملازمت، خطاب شاہی، ایام غدر میں سرسید کا انگریزوں کی مدد کرنا، غازی پور میں سائنٹفک سوسائٹی کا قیام اور مدرسہ کی بنیاد کے علاوہ برٹش انڈین ایسوسی ایشن کے مقاصد، سرسید کا سفر انگلستان، واپسی پر علی گڑھ یونیورسٹی کی بنیاد کے واقعات کو بالتفصیل بیان کیا ہے۔ جب کہ دوسرے حصے میں سرسید کی ترقی کے اسباب، دیانت داری، آزادی، بے تعصبی اور وفاداری پر روشنی ڈالی ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ سرسید کو اپنے خاندان اور وطن سے بے پناہ محبت تھی۔ حالی نے اس کتاب میں تنقیدی حصے کو الگ سے شامل نہیں کیا بل کہ ان کی زندگی کے مختلف واقعات کے ساتھ ساتھ ان کے ادبی کارناموں اور طرز تحریر کا ذکر کر دیا ہے۔ اس لحاظ سے اس کی تکنیک میں ''حیات سعدی'' اور یادگار غالب والی خامی نہیں۔ سید شاہ علی ''حیات جاوید'' کے محاسن بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وہ حتی الامکان خود نوشتہ طریقہ پر عمل کرتے ہیں۔ وہ اپنے موضوع کے پھوڑوں کو دنیا سے ڈھکنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھتے، موروثی و اکتسابی، نسبی اور خاندانی تفصیلات کی بحث کی مدافعت کرتے ہیں اور اسے انسان کی شخصیت کو سمجھنے میں مددگار و معاون بتاتے ہیں۔ مغربی

> طریقہ سوانح نگاری کے انداز پر وہ سرسید کی حیات اور شخصیت میں ماں کی تربیت، سیاست، مذہب، شادی، بیوی کی وفات وغیرہ مختلف اثرات کا پتا لگانے کی کوشش کرتے ہیں سرسید کی جسمانی اور دماغی قابلیت کو دو اجنبی خاندانوں میں پیوند از دواج کا نتیجہ بتاتے ہیں۔'' (۳۶)

ان خوبیوں کے باوجود ''حیات جاوید'' حالی کے دور میں تنقید کا نشانہ بنتی رہی اور معاصرانہ تنقید کا پے در پے سلسلہ شروع ہو گیا۔ شبلی نے حیات جاوید کو ''مدلل مداحی'' اور ''کتاب المناقبت'' کا نام دیا۔ شبلی کا یہ اعتراض حقیقت کی ایک جھلک ضرور ہے مگر اس میں کلّی طور پر حقیقت نہیں، پھر شبلی کا لوگوں کے اس خیال کی تردید کرنا کہ کسی کے معائب دکھانے، تنگ خیالی اور بدطینتی ہے اور یہ کہنا کہ اگر یہ صحیح ہو تو موجودہ یورپ کا مذاق اور علمی ترقیاں سب برباد ہو جائیں، کھلم کھلا حالی سے معاصرانہ چشمک کا اظہار ہے اور حالی اور شبلی کی شخصیت کا فرق بھی اس اختلاف کا باعث بنا۔

ایم مہدی حسن اپنے مضمون ''شبلی و حالی کی معاصرانہ چشمک'' میں اس اعتراض کا جواب بڑی خوب صورتی سے دیتے ہیں۔

> ''ایک نکتہ داں یہ سوال کر سکتا ہے کہ جس خطرے کا احتمال ظاہر کیا گیا ہے اس کے لحاظ سے مغربی زبان کی کوئی سوانح عمری ایسی دکھائی جا سکتی ہے جس میں محاسن کے ساتھ معائب ابھار کر دکھائے گئے ہوں۔ کم سے کم جتنی مستند کتابیں سیرۃ (لائف) کی حیثیت سے انگریزی زبان میں لکھی گئی ہیں وہ اکثروں کے دائرہ نظر میں ہوں گی لیکن افسوس ہے کہ حیات جاوید کی طرح کسی کتاب سے مولانا کی توقعات پوری ہوتی معلوم نہیں ہوتیں۔ یعنی ان میں ایسے مستقل ابواب نہیں ملتے جن میں یکے از اقوام جرائم پیشہ یا باب الاشرار کے عنوان سے کسی شخص کے حفظ غیب کا غیر ضروری خاکہ اڑایا گیا ہو۔'' (۳۷)

مذکورہ رائے قابل تائید ہے۔ مہدی افادی کا یہ کہنا کہ ایک شریف نے ایک شریف تر انسان کی ہمدردانہ سرگزشت لکھی ہے اسی خیال کی عکاسی کرتا ہے۔ جہاں تک حالی کی شرافت کا تعلق ہے تو حالی کے شخصی اوصاف کا ہر شخص معترف دکھائی دیتا ہے۔ حالی سنی مسلک سے تعلق رکھتے تھے اور ان کی زوجہ اسلام النساء شیعہ مسلک سے۔ اس اختلاف کے باوجود دونوں نے ایک خوش گوار ازدواجی زندگی بسر کی اور اس کا ایک سبب حالی کی شخصیت میں پنہاں تھا۔ اس ضمن میں ایک واقعہ جسے صالحہ عابد حسین نے رقم کیا ہے، کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔ ایک مرتبہ حالی اپنے بیٹے خواجہ سجاد حسین اور اپنے سالے میر فیاض حسین کے ساتھ کہیں تانگے میں بیٹھ کر گئے۔ بیوی کو حالی کی یہ بات سخت ناگوار گزری (یاد رہے کہ اہل تشیع کے نزدیک ۹ اور ۱۰ محرم کو سفر کرنا نحوست سمجھا جاتا ہے) اتفاق سے تانگہ الٹ گیا۔ واپس آئے تو بی اسلام النساء جلال میں آ کر برس پڑیں اور میاں، بیٹے اور بھائی کو دل کھول کر برا بھلا کہا لیکن فرشتہ صفت حالی نے صرف اتنا کہا کہ سیدانی غصے میں ہے اور حق پر، غلطی ہماری ہی تھی کہ آج کے دن سواری پر بیٹھے وہ جو کہتی ہیں بجا ہے۔ پھر عیب جوئی اور بدگمانی کرنا حالی کی فطرت کے خلاف تھا۔ ایسے شخص کی تحریر کردہ حیات

جاوید پر اعتراض کرنا درحقیقت حالی کی نیک نیتی پر شبہ کرنے کے مترادف ہے۔مولوی عبدالحق کا خیال ہے کہ:

> ''ہم عصر بے لاگ رائے دینے سے قاصر رہتے ہیں ان میں موافق بھی ہوتے ہیں اور مخالف بھی (وہ آدمی ہی کیا جس نے کچھ مخالف پیدا نہ کیے) موافق، مخالف دونوں مبالغہ کرتے ہیں ان میں مخلص بھی ہوتے ہیں اور ریاکار بھی، خودغرض بھی ہوتے ہیں اور بےنفس بھی، رائے کے جانچنے کیلئے نیت بھی دیکھنی پڑتی ہے۔ہم عصر کیسا ہی بے لاگ ہو اپنے زمانے کے حالات و خیالات اور الجھنوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ایک مدت کے بعد جب بے جا مخالفتوں اور حمایتوں کا گرد و غبار چھٹ جاتا ہے تو حقیقت آشکار ہو جاتی ہے۔''(۳۸)

جیسا کہ ادبی تحریر کو حرف آخر کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔''حیات جاوید'' نقائص سے مبرا بھی نہیں۔ واقعات کی تکرار''حیات جاوید'' کا ایک نمایاں عیب ہے جو اس کی ضخامت کا سبب بھی ہے کہ جو حصہ سرسید کے کارناموں کے لیے وقف کیا گیا تھا اس میں حالات زندگی والی بحث کو دوبارہ گڈمڈ کر دیا گیا۔ترتیب و توازن کا خیال نہیں رکھا اور کتاب کی ضخامت کا سبب حالی نے سرسید کی جامع اوصاف شخصیت کو ٹھہرایا گویا حالی دریا کو کوزے میں بند نہ کر سکے۔

مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ مولانا حالی اپنے ہیرو میں حقیقت پسندی کی تلاش کے لیے تقلید کے بجائے ذاتی تحقیق سے کام لیتے ہیں۔ وہ اپنے ہیرو میں مذہبی رواداری اور صلح کل کا جذبہ بھی تلاش کرتے ہیں اور اپنی نیک نیتی کے باعث اعتراضات کا مدلل جواب بھی۔

حوالہ جات:

۱۔ ابوالاعجاز حفظ صدیقی، **کشاف تنقیدی اصطلاحات**، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان (طبع اول) جولائی ۱۹۸۵ء، ص ۱۰۳

۲۔ سید عبدالقیوم، **حالی کی اردو نثرنگاری**، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۴ء، ص ۱۰۱

۳۔ ڈاکٹر وحید قریشی، **مطالعہ حالی**، (بار اول) لاہور: دارالادب، ۱۹۵۹ء، ص ۹

۴۔ سید شاہ علی، **اردو میں سوانح نگاری**، کراچی: گلڈ پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۶۱ء، ص ۵۲

۵۔ صادق قریشی، **ذکر حالی**، لاہور: اردو مرکز، ۱۹۴۹ء، ص ۹۳

۶۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، **حالی کا ذہنی ارتقاء**، لاہور: کچہری روڈ، ۱۹۶۶ء، ص ۱۳۹

۷۔ سید شاہ علی، **اردو میں سوانح نگاری**، ص ۵۸

۸۔ ایضاً، ص ۶۱

۹۔ ڈاکٹر سید عبداللہ، ''حالی کی نثر نگاری'' (مضمون) مشمولہ ماہنامہ **فروغ اردو** (حصہ اول) حالی نمبر، لکھنؤ، (فروری) ۱۹۵۹ء، ص ۳۰۰

۱۰۔ ڈاکٹر وحید قریشی، **مطالعہ حالی**، ص ۴۷

۱۱۔ مولوی، عبدالحق، **افکار حالی**، کراچی: انجمن ترقی اردو (اشاعت اول)، ۱۹۷۶ء ص ۷

۱۲۔ آل احمد سرور، ''تنقید کیا ہے؟ اور دوسرے مضامین'' (مضمون: یادگار حالی)، لاہور، اردو مرکز، سنہ ندارد، ص۳۲۔۳۳
۱۳۔ ڈاکٹر وحید قریشی، **مطالعہ حالی**، ص۱۳
۱۴۔ الطاف حسین حالی، **حیات سعدی** (دیباچہ) لاہور: مجلس ترقی ادب، (جولائی) ۱۹۸۶ء، ص۴
۱۵۔ ڈاکٹر سلیم اختر، مرتب **غالب شناسی اور نیاز و نگار**، لاہور: الوقار پبلیکیشنز، ۱۹۹۸ء، ص ۴۱۹۔۴۲۰
۱۶۔ صالحہ عابد حسین، **یادگار حالی**، علی گڑھ: انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۴۹ء، ص۲۱۳۔۲۱۴
۱۷۔ ڈاکٹر عبدالقیوم، **حالی کی اردو نثر نگاری**، ص ۱۲۸
۱۸۔ ڈاکٹر سید عبداللہ، **سرسید احمد خان اور ان کے نامور رفقاء**، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۹ء، ص ۹۹۔۱۰۰
۱۹۔ الطاف حسین حالی، **حیات سعدی**، ص۲
۲۰۔ ایضاً، ص ۲۷۵
۲۱۔ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی، ''غالب اور حالی کے تعلقات'' مضمون مشمولہ **صحیفہ** (حالی نمبر) شمارہ: ۵۸، لاہور: مجلس ترقی ادب، (جنوری) ۱۹۷۲ء، ص ۱۸
۲۲۔ الطاف حسین حالی، **یادگار غالب**، ص۳
۲۳۔ ایضاً، ص۴
۲۴۔ ایضاً، (دیباچہ)، ص ۷۔۸
۲۵۔ سید عبدالقیوم، **حالی کی اردو نثر نگاری**، ص ۱۴۷
۲۶۔ الطاف حسین حالی، **یادگار غالب**، ص۳
۲۷۔ ایضاً، (خاتمہ)، ص۴۲۰
۲۸۔ پروفیسر سید کوثر حسین، **مولانا حالی کے قومی و ادبی کارنامے**، عجائب گھر، لاہور: سنہ ندارد، ص ۲۸
۲۹۔ محمد اسماعیل پانی پتی، **تذکرہ حالی**، لاہور: شجاعت علی پبلی کیشنز، سنہ ندارد، ص۸۴
۳۰۔ الطاف حسین حالی، **حیات جاوید**، لاہور: آئینہ ادب، ۱۹۶۶ء، ص۵۰ تا ۵۲
۳۱۔ سید عبدالقیوم، **حالی کی اردو نثرنگاری**، ص۲۰۳۔۲۰۴
۳۲۔ ڈاکٹر وحید قریشی (مرتب) **مقدمہ شعری و شاعری** (مضمون: حالی کی شخصیت) لاہور: مکتبہ جدید، ۱۹۵۲ء، ص ۳۷۔۳۸
۳۳۔ ڈاکٹر سید عبداللہ، '' مولانا حالی کی کتب سوانح ۔حیات جاوید'' مضمون مشمولہ **فروغ اردو**، حالی نمبر، حصہ دوّم، لکھنؤ: (جون) ۱۹۵۹ء، ص۳۷۳
۳۴۔ ضیاء الدین لاہوری (مؤلف) **سرسید کی کہانی ان کی اپنی زبانی**، کراچی: ادارہ تصنیف و تحقیق، پاکستان، ۱۹۸۲ء، ص۱۳
۳۵۔ آل احمد سرور **تنقید کیا ہے؟ اور دوسرے مضامین**، ص۳۴
۳۶۔ سید شاہ علی، **اردو میں سوانح نگاری**، ص ۱۷۵
۳۷۔ مہدی بیگم (مرتب) **افادات مہدی**، لکھنؤ: سرفراز قومی پریس، ۱۹۵۸ء، ص ۲۳۸
۳۸۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق، **سرسید احمد خان، حالات و افکار**، کراچی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۵۹ء، ص ا

○○○